بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کریم:
دنیائے انسانیت میں ہمہ جہت انقلاب کا نقیب

مفتی محمد اللہ قاسمی، دیوبند

khaliliqasmi@gmail.com

قرآن کریم سے پہلے اور بعد کی عالمی تاریخ کا اگر تقابلی جائزہ لیا جائے تو بہت واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے ذریعہ ہی تاریخ عالم کا سب سے زیادہ صالح انقلاب برپا ہوا ہے۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں بپا ہونے والا ہر انقلاب قرآنی انقلاب کا براہ راست یا بالواسطہ نتیجہ ہے۔ نزول قرآن سے پہلے اور بعد کی انسانی دنیا بالکل ومختلف ہے۔ اسلام کے بعد کی دنیا میں انسانی زندگی کا ہر پہلو خوشگوار اسلامی انقلاب کی باد بہاری سے مہک اٹھا ہے، خواہ وہ مذہبی وسیاسی پہلو ہو یا اخلاقی ومعاشرتی ہو یا علمی وسائنسی۔ قرآن کریم نے اپنے بلیغ اور جامع پیرائے میں اس کو من الظلمات الی النور (تاریکی سے روشنی کی طرف سے) سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ (دیکھئے سورۃ البقرۃ ۲۵۷، سورۃ المائدۃ ۱۶، سورۃ ابراہیم ۱، سورۃ الحدید ۹)

پوری دنیا نزول قرآن سے قبل سماجی سطح پر مختلف ناہمواریوں کا شکار تھی۔ کہیں نسلی منافرت اور طبقاتی کش مکش جاری تھی تو کہیں مرد وعورت کے تعلق کے درمیان تشدد اور افراط وتفریط پائی جاتی تھی۔ صنف نازک پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹتے تھے۔ انسان خود ساختہ غیر متوازن نظاموں میں جکڑا ہوا تھا۔ ایران والے اپنی قومیت کو عظمت وتقدیس کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کا تصور تھا کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر نسل پر انھیں برتری حاصل ہے۔ یہ اپنے گرد وپیش کی قوموں کو بڑی حقارت وذلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کے لیے ایسے نام تجویز کر رکھے تھے جس میں توہین وتمسخر کا پہلو پایا جاتا تھا۔ یہود خود کو اللہ کی اولاد اور اشرف الناس سمجھتے تھے جب کہ دوسروں کو پیدائشی ذلیل اور حقیر سمجھتے تھے۔

ہندوستان میں بھی طبقہ داری امتیاز عروج پر تھا۔ ہندی سماج نے باضابطہ ''منوشاستر'' جیسے قانونچہ مرتب کر رکھا تھا جس کو بہت جلد ملکی قانون اور مذہبی دستاویز کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ منوشاستر کے مطابق برہمن، برہما (خدا) کے سر سے پیدا ہوا تھا؛ اس لیے مذہبی پیشوائی اور رہبری ان کا فرض منصبی تھا۔ پھر چھتریوں کا درجہ تھا جو برہما کے سینے سے پیدا ہوا اور اس کے ذمہ لڑائی اور دفاع کا کام سپرد ہوا۔ تیسرے نمبر پر ویش طبقہ تھا اس کا پیشہ زراعت وتجارت تھا اور یہ برہما کے کمر سے پیدا ہوا تھا۔ سب سے ذلیل شودر تھے جو برہما کے پاؤں سے پیدا ہوئے تھے اور جن کے ذمہ درج بالا تینوں قوموں کی خدمت کا سپرد ہوا تھا۔ منوشاستر میں لکھا ہوا ہے کہ برہمن دنیا کی اعلی ترین مخلوق ہے۔ ضرورت پڑنے پر اپنے غلام کا مال بہ جبر لے سکتا ہے۔ یہ اس کے حق میں جرم نہیں۔ سزائے موت کے عوض برہمن کا صرف سر مونڈا جائے گا اور دوسری ذات کے لوگوں کا سر اڑا دیا جائے گا۔ کوئی شودر اگر اپنے سے اوپر ذات والوں کے برابر بیٹھ جائے تو اس کی سرین داغ دی جائے گی۔ کتے، بلی، مینڈک، چھپکلی، کوے اور شودر کے مارنے کا کفارہ برابر ہے۔

خود عرب میں قبائلی اور عائلی تعصب اور جتھ بندی بڑی سخت تھی۔ اس عصبیت کی وجہ جاہلی مزاج تھا جس کی روح اس مشہور جملے سے ظاہر ہوتی تھی: انصر اخاک ظالماً او مظلوماً (اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم)۔ بعض خاندان دوسرے خاندانوں کے ساتھ رسول وعادات میں شرکت پسند نہیں کرتے تھے۔ مناسک حج میں قریش عام حجاج سے الگ تھلگ رہتے۔ ایک طبقہ پیدائشی آقاؤں کا تھا، ایک طبقہ کم حیثیت لوگوں کا تھا جس سے بیگار لیا جاتا تھا۔ اس وقت کی سپر پاور طاقت رومن امپائر نے سماج کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا: (۱) امراء جنھیں بغاوت کے علاوہ کسی جرم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔ (۲) متوسط طبقہ جسے غیر معمولی جرم میں سزائے موت دی جاسکتی ہے۔ (۳) نچلا طبقہ جس کے افراد کو معمولی جرائم میں قتل کر دیا جاتا تھا، زندہ آگ میں جھونک دیا جاتا تھا۔

عالمی تاریکی کے اس مہیب ماحول میں مکہ کی سنگلاخ وادیوں سے یہ نوید جانفزا سنائی دی کہ تمام انسان اصل خلقت کے اعتبار سے برابر ہیں۔ اعلان

ہوا کہ سارے انسان اللہ کی مخلوق ہیں، سب ہی ایک درجہ کے ہیں اور کوئی پیدائشی حقیر اور پیدائشی شریف نہیں۔ ہاں اگر بڑائی اور برتری کا کوئی معیار ہے تو وہ صرف تقوی اور پرہیزگاری ہے: یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (سورۃ الحجرات، آیت ۱۳) اسلام نے ساری انسانیت کی عزت افزائی کی اور بلاتفریق نسل ونسب انسان کو 'مکرمیت' کا تاج عطا کیا، ارشاد ہوا: ولقد کرمنا بنی آدم (سورۃ الاسراء، آیت ۷۰)

قرآن کی اس آواز پر عربوں کی موروثی نخوت پارہ پارہ ہوگئی۔ پھر عرب کے جنگ جو اور اکھڑ مزاج لوگ باہم شیر وشکر کی طرح گھل مل گئے۔ ان کا سارا نسلی غرور جاتا رہا۔ آگے چل کر انھوں نے مدینہ منورہ میں تاریخی مواخاۃ (بھائی چارہ) قائم کیا جو انسانی تاریخ کا ایسا نقش جمیل ہے جو رہتی دنیا تک مساوات واخوت کے علمبرداروں کے سنگ میل کی حیثیت رکھے گا۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بلال حبشی کو دیکھتے تو فوراً ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوجاتے اور ان الفاظ میں ان کا استقبال کرتے: ''ہمارے معلم اور ہمارے سردار آگئے''۔ آج سے چودہ سو سال قبل عرب میں اسلام کی زیر سرپرستی جس عالمی برادری کی تشکیل ہوئی تب سے آج تک ہر دور اور ہر خطے میں اس عالم گیر اخوت اور مساوات انسانی کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ ہزار علم وفن اور تہذیب وتمدن کے بلند بانگ دعووں کے باوود مغرب نسلی امتیاز اور شراب ختم کرنے میں بری طرح ناکام رہا لیکن اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس نے ایک مختصر مدت میں ان برائیوں کو ہمیشہ کے لیے دفن کردیا۔

ظہور اسلام سے قبل عورتیں معاشرے میں زبوں حالی کا شکار تھیں۔ انسانوں کے خودساختہ اصولوں نے ہمیشہ اس کے ساتھ بے اعتدالیاں برتیں۔ عرب کے جاہلی معاشرے میں عورت کے ساتھ عمومی بدسلوکی روا رکھی جاتی تھی اور اس کے حقوق پامال کیے جاتے تھے۔ وہ اقرباء واعزہ کے ترکہ کی حقدار تو کجا، سامان وحیوان کی طرح وراثت میں منتقل ہوتی تھی۔ ہندوستان میں عورتوں کا برا حال تھا۔ بیوہ مستحق طعن وتشنیع سمجھی جاتی اور عموماً شوہر کے ساتھ ستی ہونے پر مجبور کی جاتی۔ یونانی تمدن میں بھی صنف نازک قانونی، اخلاقی، معاشی اور معاشرتی حقوق سے محروم تھی۔ رومن تہذیب میں عورت زمرۂ انسانیت سے خارج تصور کی جاتی تھی۔ ان کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ انگلستان میں کمزور اور بدصورت لڑکیاں سرِ دار چڑھادی جاتی تھیں۔ ایران میں عورتوں کو باعث شرم وندامت سمجھا جاتا تھا۔ الغرض ایک ظالمانہ ماحول تھا، صنف نازک ظلم وستم کے بوجھ تلے کراہ رہی تھی، ہر جگہ اس کے اخلاقی و معاشرتی حقوق پامال کیے جاتے تھے۔ ایسے وقت میں اسلام نے انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑا اور عورتوں کو ان کا فطری اور قدرتی حق دلایا۔ قرآن کا اعلان ہوا: عاشروھن بالمعروف (عورتوں کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو: سورۃ النساء، آیت ۱۹) ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف (اور عورتوں کو معروف طریقہ کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہوں گے جیسے مردوں کو ان پر حاصل ہیں: سورۃ البقرۃ، آیت ۲۲۸)

قرآن کی یہی انقلاب انگیز پکار تھی جس نے اقوام عالم کو احساس دلایا کہ کسی مخلوق کے ساتھ ظلم سراسر ناجائز ہے۔ اسلام کی اسی روشنی میں غیر اسلامی ممالک میں بھی عورتوں کے حقوق نے ترقی کی، مگر صحیح ربانی تعلیمات کے فقدان اور مذہب بیزاری کی وجہ مغربی تہذیب نے اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ مغرب کے کوتاہ نظر اور فطرت ناآشنا نام نہاد دانشوروں نے عورتوں کو ان کے مقام سے زیادہ اوپر اٹھا کر ایک بار پھر انھیں ظلم وستم کا نشانہ بنادیا ہے۔ مساوات اور آزادئ نسواں کے پردے میں ان کے ساتھ فراڈ کھیلا جارہا ہے۔ ڈھنڈورا یہ پیٹا کہ عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش لانا ہے، مگر عملاً یہ ہوا کہ انھیں منظر عام پر بازار کا سودا بنادیا گیا۔

پہلے عورت اور مرد کے باہمی رشتے میں بڑی بے ہنگمی تھی۔ ساری دنیا فطرت کے خلاف افراط وتفریط کے راستے پر گامزن تھی۔ کوئی مستحکم نظام نہیں تھا جس کی بنیاد پر ازدواجی رشتہ قائم ہو۔ ایرانی قانون ومعاشرت میں ازدواجی تعلقات کے لیے کسی بھی رشتے کا استثناء نہ تھا۔ ایران کے اس شدید شہوانی رجحان کا ایک غیر فطری اور سخت ردعمل یہ ظاہر ہوا کہ ایک حکم راں مانی نے مرد وعورت کا باہمی اجتماع حرام قرار دے دیا۔ پھر مزدک نے تمام عورتوں کو تمام مردوں کے لیے حلال کردیا، جس سے پورا ایران جنسی انارکی اور شہوان بحران میں ڈوب گیا۔ ہندوستان مذہب وتمدن میں شہوانی جذبات اور جنسی میلان کو ابھارنے والے عناصر چھائے ہوئے تھے۔ معبودوں کی فہرست میں لنگم اور یونی (مرد اور عورت کی شرم گاہ) بھی اہمیت ساتھ شامل تھے۔ اس تن پرستی اور

نفس پروری کے بالمقابل دوسری طرف نفس کشی اور ریاضت ومجاہدہ (جوگ وتپشیا) کا سلسلہ جاری تھا۔خود عرب میں زنا کوئی معیوب بات نہیں تھی اور اس کے بہت سے طریقے رائج تھے۔غرض دنیا شہوت وتجرد کے دونوں سروں میں تقسیم اور اعتدال وتوازن سے محروم تھی۔کچھ افراد نفس کشی اور روحانی ترقی میں مصروف تھے اور عام آبادی شہوانیت اور نفس پرستی کے دھارے میں بہہ رہی تھی۔ایسے ماحول میں اسلام نے انسانی فطرت کے عین مطابق معاشرتی لائحۂ عمل پیش کیا جس میں بھرپور طریقہ پر انسان کے شہوانی جذبات کی رعایت کے ساتھ اخلاقی وسماجی اقدار پیش کیے گئے۔اس میں ہر اعتبار سے اعتدال تھا، توازن تھا، جاذبیت تھی اور فطرت انسانی سے مکمل مطابقت۔

اخلاقی انقلاب

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا اخلاقی اعتبار سے کنگال اور دیوالیہ ہوچکی تھی۔انسانیت وشرافت کی بنیادیں ہل چکی تھیں۔تہذیب واخلاق ستون اپنی جگہ چھوڑ چکے تھے۔تہذیب وتمدن کے گہواروں میں خودسری، بے راہ روی اور خلاقی پستی کا دور دورہ تھا۔شراب عربوں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا، جوا جاہلی معاشرے میں بڑائی اور خوبی کی بات تھی۔سودی لین دین، کمزوروں کا استحصال اور اس سلسلے میں بے رحمی وسخت گیری عام تھی۔بے شرمی وبے حیائی، رہزنی وقزاقی معمولی بات تصور کی جاتی تھی۔جنگ جوئی اور سفا کی بائیں ہاتھ کا کھیل بن گیا تھا۔بے جا انتقام اور تعصب کا شمار قومی خصوصیتوں میں ہوتا تھا۔علامہ قاضی منصور پوری کے الفاظ میں: ''تمام معمورۂ عالم پر سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی اور ان ضلالتوں کو دور کرنے میں وہ کتابیں جو دنیا میں نازل ہوچکی تھیں ناکافی ثابت ہوچکی تھیں۔اس لیے ضرورت تھی ایسی مہیمن کتاب کی جو تمام عالم کی اصلاح کی طاقت اور تمام کتابوں کو اپنے اندر جمع کر لینے کی قابلیت رکھتی ہو اور بہ لحاظ اپنی مجموعی شان کے دیگر اوراق پریشاں سے مستغنی کر دے، جس طرح سخت گرمی کے بعد باران رحمت کا نزول ہوا ہے اور رات کی تاریکی کے بعد آفتاب عالم افروز طلوع ہوتا ہے۔'' (رحمۃ للعالمین)

چنانچہ اسلام نے پوری دنیا کو اخلاق حسنہ کی طرف بلایا۔سیکڑوں آیات کے ذریعہ جھوٹ وبہتان طرازی، کبر ونخوت، ظلم وستم، بدسلوکی وبے رحمی، فریب ودھوکہ دہی، شراب نوشی وجوابازی، زنا کاری وتشدد پرستی، جنگ وجدال اور فتنہ پروری جیسی اخلاقی خرابیوں پر پابندی عائد کی اور انسانوں کو صالح معاشرہ قائم کرنے کی دعوت دی۔اس سلسلے میں اسلام کی آواز اتنی مؤثر تھی کہ محض قرآن کے اس اعلان سے کہ شراب گندگی اور شیطانی عمل ہے، مدینہ میں گلیوں میں شراب بہنے لگی۔حالاں کہ نشہ چھڑانا اور وہ بھی شراب کا کتنا مشکل ہے، آج ساری دنیا اس بارے میں پریشان ہے کہ قوم سے نشے کی لت کیسے ختم کی جائے، مگر قرآن کی ایک پکار نے اسے ایک لمحہ میں ختم کر دیا۔

قرآن کی معجزاتی تاثیر نے ہی اخلاق واقدار سے بیگانہ عرب قوم کو تہذیب اور اعلی اخلاق کا آئیڈیل بنا دیا۔درس گاہ قرآنی کے اولین فضلاء یعنی صحابہ دین واخلاق اور سیاست وقوت کے مکمل پیکر تھے۔ان میں انسانیت کی اپنے تمام گوشوں، شعبوں اور محاسن کے ساتھ نمود تھی۔ان کی اعلی روحانی تربیت، بے مثال اعتدال، غیر معمولی جامعیت اور وسیع عقل کی بنا پر ان کے لیے ممکن ہوا کہ وہ انسانی گروہ کی بہتر طور پر اخلاقی اور روحانی قیادت کر سکیں۔ان کے اعلی اخلاقی نمونے معیار کا کام دیتے تھے اور ان کی اخلاقی تعلیمات عام زندگی اور نظام حکومت کے لیے میزان کا درجہ رکھتی تھیں۔ان میں فرد وجماعت کا تعلق حیرت انگیز طور پر رواداارانہ اور برادرانہ تھا۔وہ ایک معیاری دور تھا جس میں عدل وانصاف، صدق وسادگی، خلوص ووفا اور محبت والفت کی خوشگوار ہوائیں چلتی تھیں۔اس سے زیادہ ترقی یافتہ دور کا انسان خواب نہیں دیکھ سکتا اور اس سے زیادہ مبارک وپربہار زمانہ فرض نہیں کیا جاسکتا۔

'تمدن عرب' کا مصنف ڈاکٹر گستاؤلی بان (Gustav Li Bon) لکھتا ہے: قرآن کا اخلاقی نظام نہایت عمدہ ہے۔خیرات، نیکی، مہمان نوازی، خواہشوں میں اعتدال، وعدے سچائی، عاقبت کا خیال، والدین کا اعزاز، یتیم کی کفالت، برائی کے ساتھ پیش آنے والے کے ساتھ احسان اور معاملات میں احتیاط وتورع وغیرہ اس سے بہتر دستور العمل انسان کو نیکی کی طرف راغب کرنے والا نہیں ہوسکتا۔

تعمیری انقلاب

قرآن نے انسانیت کے بے جان لاشہ میں حرکت واضطراب اور جہد وعمل کی خوشگوار روح پھونک دی، جس سے انسان کی خوابیدہ صلاحیتوں میں

زندگی کی توانائیاں دوڑ گئیں۔قرآن نے مردم سازی کی بے نظیر تاریخ پیش کی ہے۔اس نے غلاموں کو شہنشاہ، وحشیوں کو اعلیٰ ترین تمدن وتہذیب کا علم بردار بنا دیا۔عربوں میں بہت سی ایسی قابل قدر صفات موجود تھیں جن کا وہ صحیح استعمال نہیں کرتے تھے۔وہ جنگ جو واقع ہوئے تھے، ان کی صحرائی اور غیر تمدنی زندگی کا تقاضہ بھی یہی تھا۔جنگ ان کے لیے ایک ضرورت سے زیادہ تفریح اور دل بستگی کا سامان تھی۔بہادری ان کے محل سرا کی کنیز تھی۔وہ نہایت حق گوم بے باک، فیاض، تیز فہم اور عہد کے پکے تھے، مگر ان کے یہ اوصاف حمیدہ غلط رخ پر محو سفر تھے۔ان کی زندگی کا کوئی مقصد اور مطمح نظر نہ تھا۔

قرآن نے آ کر ان کی خرابیوں کو اچھائیوں سے بدل دیا اور اچھی صفات کو صحیح سمت پر ڈال دیا۔وہ جنگ کا صحیح استعمال نہیں کرتے تھے، قبیلہ اور وطن کے نام پر لڑتے تھے، اسلام نے انھیں اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعت عدل کے جذبہ سے لڑنے کا سبق دیا۔اسلام نے اس طرح ان کو متحرک کیا کہ وہ دنیا کے اندھیروں کو ختم کرنے والے اور ہر طرف اجالا پھیلانے والے بن گئے، ان سے لوگوں کو رہ نمائی ملی۔یہ اسلامی انقلاب کا تعمیری مرحلہ تھا۔عربوں نے قرآن پڑھ کر اس میں عظیم ترین سچائی کو پالیا۔قرآن نے ان کے سامنے اعلیٰ مقصد آخرت کو پیش کیا، چنانچہ وہ ان کے لیے حقیقت اعلیٰ کی دریافت کا ذریعہ بن گیا۔قرآن نے ان کے ذہن کے بند دروازوں کو کھول دیا۔ان کے سینوں میں حوصلوں کے چشمے جاری کر دیے۔قرآن نے ان کی سوچ کی سطح کو بدل دیا اور اسی کے ساتھ کردار وعمل کے معیار کو بھی اونچا کر دیا۔اہل ایمان کو قرآن کا عطا کردہ مقصد حیات اتنا عظیم تھا کہ اس کی حد کہیں ختم نہیں ہوئی۔اس لیے ان کی ذات سے ایسے کارنامے طاہر ہوئے جو کسی حد پر بھی رکنا نہیں جانتے تھے۔قرآن نے ان کے ذہن کو جگا کر اس کے اندر سوچ کی بے پناہ محبت بھر دی یہی وجہ تھی کہ مشہور مستشرق عالم فلپ کے حتی نے اعتراف کیا: ''عربوں میں کا ہر شخص ہیرو بن گیا، حتی کہ نزول قرآن کی زمین کا یہ حال ہوا کہ گویا وہ ہیروؤں کی نرسری بن گئی، ایسے ہیرو جن کی صفات اور تعداد کہیں ملنی مشکل ہے۔'' (تاریخ عرب، ص ۱۴۲)

سیاسی انقلاب

نزول قرآن سے قبل دنیا سیاسی اتھل پتھل اور بے راہ روی کا شکار تھی۔خاندانی، شخصی اور آمرانہ حکومتوں کا دور تھا۔بادشاہ اور حکمراں معبود یا کم از کم معصوم تصور کیے جاتے تھے۔ان کا ہر حکم قانون اور وہ قانون سے بالاتر ہوا کرتے تھے۔رعایا حکمرانوں کے غلام اور حکمراں ان کے سیاہ وسفید کے مالک ہوا کرتے تھے۔بادشاہ کے ایک اشارہ پر کسی رعیت کی جان لی جاسکتی تھی، اس کے لیے کوئی قانون اور ضابطہ نہیں تھا۔اس وقت کے انسان کے پیروں میں خود انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔

قرآن نے خلافت ارضی کے استحقاق کا معیار تقوی اور اتباع حق متعین کیا۔شاہی اجارہ داری کا خاتمہ کر دیا اور حقیقی جمہوریت کی داغ بیل ڈال کر اس کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔یہی وجہ تھی کہ خلفائے راشدین شرافت نسبی کے بالاتر ہو کر تقوی، دانائی اور شجاعت کے معیار پر چنے گئے اور رعایا کو یکساں حقوق ومراعات دی گئیں۔خلافت راشدہ کا دور زریں مساوات، عدل وانصاف، اظہار رائے کی آزادی وغیرہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

اسی طرح اسلام نے ملکی نظام کے لیے قصاص، حدود اور سزاؤں کا ایسا جامع اور پر اثر قانون پیش کیا جس سے بہتر قانون وضع کرنا ممکن ہی نہیں۔یہ اسلامی قانون جہاں نہایت وسیع اور جامع ہے وہیں انتہائی لچک دار اور ترقی پذیر بھی ہے۔نبوی زمانہ اور خلافت راشدہ اس اسلامی قانون کا سب سے زریں اور معیاری زمانہ گزرا ہے۔اسلام نے انسانی دماغوں کے بنائے ہوئے نظام کے بالمقابل خدائی نظام پیش کیا، اس خدا کا نظام جو انسان کا خالق ہے اور انسان کی ساری ضروریات اور اس کے نفع ونقصان کا بہ خوبی علم رکھتا ہے۔اسلامی نظام کی یہی خوبی تھی کہ دنیا کا ابدی اور سرمدی نظام بن گیا۔

اسلامی قانون کی رو سے اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالی کے پاس ہے، حاکم دراصل صرف اسی کی ذات ہے، دنیا میں جو بھی ہیں سب محکوم ہیں، خود حکمراں صرف خدائی قانون کی قوت تنفیذی ہے بس، اسلامی قانون کی نگاہ میں وہ بھی ایک عام مسلمان کا درجہ رکھتا ہے۔انسانی دماغوں کی بنائے ہوئے قانونوں میں کہیں انسانی فطرت سے بغاوت کی گئی اور کہیں حدود سے تجاوز کیا گیا۔نتیجۃً موقع بہ موقع تضادات پیدا ہوئے، تصادم کی نوبت آئی اور بالآخر ایک نظام کی جگہ دوسرے نظام نے لی اور ایک قانون کو توڑ کر دوسرا قانون مرتب ہوا۔اس طرح انسان خود ساختہ قوانین ودساتیر کی چکی میں پستا رہا۔

قرآنی نظام حکومت جہاں نافذ ہوا وہاں امن وامان اور خیر وصلاح کا دور دورہ رہا اور فتنہ وفساد ناپید رہا۔تاریخ کے اس دور میں جب اسلامی نظام ایک

غالب نظام کی حیثیت رکھتا تھا، کہیں بھی انسانیت کو کسی قسم کا شدید ترین بحران نہیں لاحق ہوا۔ وہ خواہ اخلاق ومعاشرت کا معاملہ ہو، یا حقوق ومعاملات ہوں یا سیاست اور ملک رانی کا معاملہ ہو، کسی بھی سطح پر دنیا کو کسی عظیم بحران نہیں پیش آیا۔

لیکن گزشتہ چند سو سال کے اندر جب سے مغرب کا سیاسی نظام دنیا پر مسلط ہوا ہے دنیا کو صرف گذشتہ صدی میں عالمگیریت اور ملک گیری کی ہوس میں کم از کم دو عالمی جنگوں کا منھ دیکھنا پڑا ہے، جس کے نتیجہ میں روئے زمین کی سب سے بڑی تباہی اور قتل وغارت گری پیش آئی۔ محتاط اندازے کے مطابق آٹھ کڑوڑ انسانوں کی جانیں گئیں۔ اس کے علاوہ دیگر جنگوں اور آتش وبارود کی کھیل میں کتنی انسانی جانوں کا ضیاع ہوا وہ اس شمار سے باہر ہے۔ مغرب کی اسی ملک گیری اور استعماریت کی ہوس کی وجہ سے ملکوں میں بے حد وحساب اسلحہ اور جنگی ساز وسامان کو بنانے اور جمع کرنے کی دوڑ شروع ہوئی جو اس حد تک پہنچ گئی ہے سچ مچ دنیا بارود کے ڈھیر پر کھڑی ہوئی ہے۔ انسان نے انسان کو مارنے کے لیے روئے زمین پر اتنے مہلک ہتھیار جمع کر لیے ہیں کہ وہ اس جیسی ہری بھری اور آباد دنیا کو کئی بار تباہ وبرباد کرنے کے لیے کافی ہیں۔

مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام نے دولت کا توازن ختم کر دیا ہے۔ اسلامی نظام میں معاشرے میں دولت کی گردش بیع وشراء اور جائز تبادلہ پر مبنی تھی، لیکن مغرب کے مالی نظام کی بنیاد سود ٹھہرایا گیا جو انسانی تاریخ کے ہر دور میں غریبوں کا خون چوسنے اور کمزور کو مزید کمزور اور دست نگر رکھنے کا ذریعہ رہا ہے۔ آج اسی نظام کا نتیجہ ہے دولت چند ہاتھوں کی باندی بنی ہوئی ہے اور وہ جس طرف چاہتے ہیں دنیا کے مالی نظام کو گھما پھرا رہے ہیں۔ آج جو مالدار ہے وہ مزید مالدار ہو رہا ہے اور غریب شخص غربت کے دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔

وہ قرآن ہی کی طاقت تھی کہ جس کی بدولت مسلمانوں نے ایسی دنیا فتح کی جو سکندر اعظم کی حکومت سے زیادہ وسیع تھی اور وہ بھی چند دہائیوں میں جس کو پورا کرنے میں سکندر اعظم کو کئی سو سال لگ گئے۔ قرآنی تعلیمات میں اتنی تاثیر اور بلا کی قوت تھی کہ مسلمانوں کی فتح کا جھنڈا جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر صحرائے افریقہ اور یورپ تک اور مشرق میں آخری حدود تک لہرا گیا۔ افریقہ کے وہ ممالک جو قبطی بولتے تھے اور غیر عربی طرز حیات کے حامی تھے، ان کی زبان عربی ہوگئی اور رسم ورواج اسلامی بن گیا۔

یہ اسلام کا سیاسی انقلاب ہی تھا کہ دنیا کو ایسا سیاسی نظام میسر ہوا جس کی روح عدل ومساوات، امن ورواداری، جمہوریت اور حقوق برآری تھی۔ اس نظام کی برکت سے دنیا کا سیاسی نظام ایک ایسے دور میں داخل ہوا جہاں معاشرے ہے ہر فرد کو آزادی حاصل تھی، مظلوم کو انصاف ملتا تھا، کمزور کو تحفظ ملتا تھا۔ جمہوریت اور آزادی جس سے مغرب ابھی چند صدیوں قبل آشنا ہوا ہے وہ دراصل اسلام کے اسی صالح سیاسی انقلاب چربہ ہے جو ڈیڑھ ہزار سال پہلے دنیا میں برپا ہوا اور ہزار سال سے زیادہ دنیا کے ایک بڑے حصے پر قائم ودائم رہا۔

علمی انقلاب

فاران کی چوٹیوں پر آفتاب اسلامی کی جلوہ افراز ہونے سے پہلے ربع مسکوں پر ہالت کی حکم رانی تھی۔ ساری دینا علم کے نام سے نا آشنا تھی۔ یورپ ازمنۂ وسطی میں خواب غفلت کے مزے لے رہا تھا۔ وہاں ہر طرف جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ چرچ کے غلبہ اور اس کے مظالم کی وجہ سے ہر قسم کی ترقی رکی ہوئی تھی۔ علم وہنر اور سائنس وفلسفہ کی تحصیل جرم تھی۔ ذہنی ترقی کرنے والوں کو مبتلائے عذاب کیا جاتا تھا۔

خود عرب جہالت میں دوسرے اقوام عالم سے کچھ کم نہ تھے۔ وہاں جہالت کوئی عیب ہیں بلکہ قابل فخر سرمایہ تھی۔ الا لا یجھلن احد علینا☆ فنحن فوق جھل جاھلینا ان کا قومی نعرہ تھا۔ پورے جزیرۃ العرب میں بہ مشکل پڑھے لکھے اشخاص ملتے تھے۔ قبیلہ قریش جو تمام عرب قبائل میں سے مہذب اور پیشوا تھا، اس میں اس وقت صرف سترہ اٹھارہ افراد لکھ پڑھ سکتے تھے۔ (الفاروق بحوالہ فتوح البلدان للبلاذری)

ایشیا کے دیگر مشرقی خطے بھی ناخواندگی کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے۔ گویا سارے عالم پر جہالت ولاعلمی کے بادل منڈلا رہے تھے۔ شرک والحاد کی گھنگھور گھٹاؤں میں جہالت وناخواندگی کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔ اس گھٹے ہوئے ماحول میں سب سے پہلے جس نے علم روح پرور اور بہار آفریں آواز بلند کی ہے وہ قرآن ہے۔ اس نے آواز لگائی: اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق ، اقرأ وربك الاکرم (سورۃ العلق، آیت ۳-۱)

قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون (سورۃ الزمر، آیت ۹) والذین اوتوا العلم درجات (سورۃ المجادلۃ، آیت ۱۱)

قرآن میں علم کے سلسلے میں مختلف پیرائے میں درجنوں آیات نازل ہوئیں اور علم کی اہمیت بیان کی گئی۔ چناں چہ دنیا نے دیکھا کہ جہالت پر فخر کرنے والوں میں علم وفکر کی لہر دوڑ گئی اور انھوں نے اس علم کی روشنی کو ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ قرآن کے علمی انقلاب کی بدولت انسان کی خوابیدہ صلاحیتیں ابھرنے لگیں اور ذوق آگہی زندگی کی توانائیوں سے محظوظ ہونے لگا۔ جزیرۃ العرب جو کبھی غیر متمدن اقوام کا مرکز تھا، علم وادب اور فکر وفن کا گہوارہ بن گیا۔ اسلامی مملکت کے مکہ ومدینہ، شام وبغداد، کوفہ وبصرہ، قرطبہ وقاہرہ اور وسط ایشیا ہفت افلاک کی بلندیوں پر کمندیں ڈالنے لگے۔ مشینی اعتبار سے اس ناترقی یافتہ دور میں طباعتی سہولیات وغیرہ کی عدم موجودگی کے باوجود معمولی سی معمولی جگہوں پر لاکھوں کتابوں کے علمی ذخیرے ہوتے تھے جو سب کی سب مخطوطہ یعنی ہاتھ کی لکھی ہوتی تھیں۔

یہ قرآن ہی کی برکت تھی جس نے عربوں میں ایسا ذوق آگہی پیدا کیا، پھر عرب سے ہی سے علم کی خوشبو پھیلی اور پھر ساری دنیا کے مشام جان معطر ہوتے گئے۔ گڑبڑٹ نے لکھا ہے: عربوں کے علمی ودماغی تسلط نے یورپ کے لیے علوم وفنون کا دروازہ کھول دیا اور چھ صدی تک عرب ہمارے استاذ اور تمدن سکھلانے والے رہے۔ ایک دوسرے مستشرق نے لکھا ہے: جب یورپ دور جہالت میں تاریکی کے گڈھے پر پڑا ہوا تھا، اس وقت خلفائے بغداد و قرطبہ اسلامی ممالک میں تہذیب وتمدن کی روشنی پھیلا چکے تھے۔ اور جب کہ یورپ کے روساء وامراء اپنا نام لکھنا بھی نہیں جانتے تھے، اس وقت اسلامی ممالک میں ہر لڑکا اور لڑکی آسانی سے لکھ پڑھ لیتے تھے۔ فان کریمر نے لکھا ہے کہ تہذیب وتمدن کو ترقی دینے میں عربوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اس کے لیے یورپ ان کا جتنا احسان مند ہو تھوڑا ہے، بلکہ وہ اس احسان سے سبک دوش ہی نہیں ہوسکتا۔

عربوں میں علم کا ذوق قرآن نے پیدا کیا۔ قرآن کی دعوت تعلیم نے اولاً عربوں کو مسخر کیا، پھر ان کے توسط سے ساری دنیا میں تعلیم کی ہوا چلا دی۔ آج دنیا میں زندگی کے بعد جو چیز سب سے اہم ہے وہ قرآن کی عطا کردہ 'تعلیم' ہے۔

فکری وسائنسی انقلاب

نزول قرآن سے پہلے انسان پر فکری جمود طاری تھا۔ ذہنیت عام طور پر بہت محدود اور کوتاہ تھی۔ انسان اپنی حیثیت سے بے بہرہ اور غافل تھا۔ اس نے پتھروں، بھوت پریت اور درختوں بلکہ ہر تعجب خیز اور ندرت آمیز چیز کو پوجنا شروع کر دیا تھا۔ مظاہر قدرت کو عقیدت وپرستش کی نظر سے دیکھنا ایک عالمی نظریہ تھا۔ انسان کا خودساختہ عقیدہ تھا کہ کائنات کی کسی چیز کی تحقیق باعث ہلاکت ہے۔ یورپ اس وقت تاریخ کے اندھیروں میں سے گذر رہا تھا۔ یونان وروم کی ترقی کے باوجود اہل یورپ کی ذہنی وفکری سطح نہایت پست اور غیر ترقی پذیر تھی۔ یورپ میں کوپرنیکس نے جب زمین کی گردش اور آسمان کا سکوت ثابت کیا تو ذلت وخواری کے ساتھ اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ برونو کو ذہنی ترقی کی وجہ سے دھیمی آگ میں جلا کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

خود عرب فکری وذہنی اعتبار سے نہایت تنگ تھے۔ ان کے خیالات کی پرواز حسن میں عورت، بلندی میں آسمان اور وسعت میں صحرا وبیابان کے مورانہ تھی۔ کائنات کی وسعتوں اور اس کے مناظر سے سبق لینے اور اس میں غور وفکر کر کے استفادہ کے بجائے وہ اس کی تعظیم وپرستش کے درپے تھی۔ وہ انسان کی اشرفیت وافضلیت سے ناواقف تھے۔ چناں چہ قرآن نے ان کو ان کی اہمیت یاد دلائی: ولقد کرمنا بنی آدم (سورۃ الاسراء، آیت ۷۰) لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (سورۃ التین، آیت ۵) اور سیکڑوں آیات کے ذریعہ کائنات کے مناظر ومظاہر کی طرف متوجہ کیا اور خلق السماوات والارض میں 'تفکر' کی دعوت دی: اِنَّ فِیْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیَاتٍ لِلْمُؤْمِنِیْنَ (3) وَفِیْ خَلْقِکُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَابَّۃٍ اٰیَاتٌ لِقَوْمٍ یُوْقِنُوْنَ (4) وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِزْقٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیَاحِ اٰیَاتٌ لِقَوْمٍ یَعْقِلُوْنَ (سورۃ الجاثیۃ 5-3)

اسلام نے مسلمانوں کو چار بنیادی فرائض کا مکلّف بنایا یعنی نماز، روزہ، زکاۃ اور حج۔ چناں چہ ان احکام نے بالواسطہ اہل اسلام کو تحقیق وتدقیق پر آمادہ کیا کیوں کہ نماز کا تعلق علم فلکیات اور جغرافیہ سے ہے کیوں کہ اوقات صلاۃ کی تعیین میں طلوع وغروب وغیرہ کا اور قبلہ کی سمت کے تعین کے لیے جغرافیہ کا

جاننالازمی ہے۔اسی طرح روزہ کاتعلق فلکیات اور ریاضی سے ہے؛ کیوں کہ قمری مہینوں کی ابتداء وانتہاء وغیرہ کاتعلق فلکیات اور کیلنڈر سے ہے۔زکاۃ کا تعلق علم الحساب (ریاضی) سے ہے اور حج کا جغرافیہ سے، وغیرہ۔

قرآن کی دعوت تفکر وتحقیق کے نتیجے میں عربوں کے دماغوں کی کنجی کھل گئی۔وہ جس کو دیوتا سمجھ بیٹھے تھے اسلام نے اسے انسانوں کا خادم اور قابل تسخیر بنادیا۔خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (البقرۃ) پھر کیا تھا مسلمانوں میں ایک صدی کے اندر ہی علم فلسفہ، سائنس، طب، علم الادویہ، علم حفظان صحت، علم جراحی، علم نباتات، جغرافیہ، کیمیا، ہیئت وفلکیات اور زراعت وغیرہ کی بنیاد پڑ گئی اور آگے چل کر وہ ساری دنیا کے امام بن گئے۔'تمدن عرب' کے مصنف کستاؤلی بان نے لکھا ہے: عربوں نے تجربہ ومشاہدہ پر مبنی تحقیق کو رواج دیا۔تحقیقات علمی کے لیے تجرباتی طریقے کو کچھ لوگ راج بیکن کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے موجد عرب تھے۔ڈریپر کہتا ہے: عربوں کی عقل سلیم نے انھیں یہ بات سمجھادی تھی کہ سائنسی ترقی یہ محض تخیل سے نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کا صحیح اور یقینی ذریعہ فطرت کا مطالعہ ہے۔ان کے علم کی بنیاد تجربے اور مشاہدے پر تھی۔

ہیئت ان علوم میں سے ہے جس میں مسلمانوں نے صدیوں پہلے جو تحقیقات کرلی تھیں اس سے یورپ آج تک مستفیض ہورہا ہے۔مسلمانوں نے اپنے رصد خانوں میں ستاروں کی شناخت کر کے درجہ بندی کر رکھی تھی۔نظام شمسی اور اجرام سماوی کے متعلق انکشافات کیے تھے۔انھوں نے زمین کی وسعت، اختلاف حرکت قمر اور نقطہائے معتدل النہار دریافت کیے۔ابن رشد نے آسمان کے نقطۂ اوج، ابوالحسن نے ہواء انعکاس کا انکشاف کیا۔المامون نے مدار شمس کی کج روی کا پتہ لگایا۔ابن یونس، نصیرالدین طوسی اور بستانی کی کتابوں کے مغربی زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ان کی کتابیں صدیوں تک یورپ کے نصاب تعلیم کا جزرہیں۔وہ پہلے پہل مسلمان تھے جنھوں نے یورپ میں رصدگاہیں تعمیر کیں، دوربین، قطب نما، ساہول اور دیگر آلات اختر شناسی ایجاد کیے۔

دنیا آج بھی طب میں رازی وابن سینا، جراحی وسرجری میں ابوالقاسم زہراوی، علم کیمیا میں جابر بن حیان، بصریات میں ابن ہیثم، فلسفہ میں فارابی، ابن رشد اور غزالی، ریاضی میں خوارزمی اور دیگر سیکڑوں مسلم سائنس دانوں اور ماہرین کے علمی احسانات کے تلے دبی ہوئی ہے۔مغرب کو علوم جدیدہ کی یہ روشنی مسلمانوں سے ملی جو ازمنۂ وسطی میں یوروپ کی ایک وسیع وعریض خطہ اندلس پر (جس میں اس وقت کا پورا اسپین، پرتگال اور کچھ فرانس شامل ہے) علوم وفنون کی روشنی بکھیرتے رہے۔مغرب نے یہ علوم مسلمانوں سے سیکھے اور پھر انھیں آگے بڑھایا۔

دنیا کی انسانی تاریخ میں قرآن سراپا انقلاب ثابت ہوا ہے۔قرآن نے انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں تاریخ ساز تبدیلی پیدا کی۔قرآن نے دنیا کے مذہبی وسیاسی، علمی وفکری اور اخلاقی ومعاشرتی حلقوں میں نہایت پاکیزہ اور دوررس انقلاب کی قیادت کی ہے۔زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جہاں تک آفتاب قرآنی کی کرنیں نہ پہنچی ہوں۔قافلۂ انسانیت، قرآن کی آمد سے پہلے ایک بھیانک اور تباہ کن رخ کی طرف محو سفر تھا۔مجموعی طور پر پوری دنیا کی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور علمی حالت نہایت ابتر تھی۔کرۂ ارضی مذہبی بے راہ روی، اخلاقی انارکی، سیاسی پستی، طبقاتی کشمکش، علمی وفکری تنزلی اور معاشرتی لاقانونیت کے اس آخری نقطے پر پہنچ چکا تھا جس کے آگے سراسر ہلاکت، شر وفساد اور ہمہ گیر تباہی کی حکم رانی تھی۔قرآن کی دل گیر صداؤں نے اسے ایک روح پرور، حیات بخش اور امن آفریں منزل کی طرف رواں دواں کردیا۔قرآن نے دنیا کو اس مہیب صورت حال سے نکال کر سرخ روئی اور سرفرازی عطا کی۔

پوری اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ جب جب مسلمانوں نے خود کو قرآن کی انقلاب آفریں تعلیمات سے مکمل طور ہم آہنگ کیا ہے ان میں انقلابی روح پیدا ہوئی ہے اور ان سے حیرت انگیز انقلابی کارنامے وجود میں آئے ہیں۔زوال وادبار کا جو طوفان بلاخیز اس وقت مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے اس کی بنیادی وجہ قرآنی واسلامی تعلیمات سے دوری ہے۔کاش یہ حقیقت اعلی ہمیں دریافت ہوجاتی کہ ہماری کامیابی کی کنجی مغرب کی خیرہ کن تہذیب میں نہیں بلکہ سادہ اسلامی تعلیمات میں ہے جس کا سرچشمہ قرآن کریم ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً و یضع بہ آخرین (اللہ تعالی اس کتاب کے ذریعہ کچھ قوموں کو بلندی عطا کرتے ہیں جب کہ دوسری قوموں کو پستی میں ڈھکیل دیتے ہیں: صحیح مسلم، حدیث ۱۳۵۳)

الغرض قرآن جس طرح کل مسلمانوں کی عظمت ورفعت کا راز تھا، اسی طرح آج بھی وہ مسلم قوم کو ذلت ونکبت کے گڑھے سے نکال کر کامیابی وترقی